حضرت یوسف علیہ السلام کے
طرز تبلیغ کا ایک نمونہ

تالیف

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر: ایچ، یم، حسین ٹرسٹ
H.M.HusainTrust
Email: hmhamuwash@yahoo.com
Cell: +91 7095168679

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول: جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ مطابق فروری ۲۰۱۸ء گریگورین Gregorian

نام کتاب: حضرت یوسف علیہ السلام کے طرزِ تبلیغ کا ایک نمونہ
مصنف: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ
تعدادِ اشاعت: 2000
صفحات: 23
قیمت: ہدیہ: ایچ، یم، حسین ٹرسٹ
کمپیوٹر کتابت: مولانا سید عبدالحمید قاسمی (استاذ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم رحمانیہ، حیدر آباد)
Cell: +91 9849022015

باہتمام: انجینئر محمد عثمان حیدر آبادی

انتساب

خانصاحب، اے۔ ایس
عبدالقادر اور زوجتین علیہ الرحمہ
(تایا اور تائین انجینئر محمد عثمان حیدر آبادی)

ملنے کا پتہ: (۱) مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ 0522-2741539
(۲) دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی، یوپی 09807240512

ناشر: ایچ، یم، حسین ٹرسٹ
H.M.HusainTrust
Email: hmhamuwash@yahoo.com
Cell: +91 7095168679

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم، امابعد

قرآن مجید انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے، جس پر عمل کرنے سے ہماری زندگیاں اس دنیا میں اور آخرت میں سلامتی وسکون کی ہوگی، یہ خالقِ کائنات کا وعدہ ہے۔

میرے حضرت! مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ساری زندگی اس کی تعلیم وتربیت میں صرف کی اور اس تعلیم وتربیت سے کئی زندگیاں اللہ پاک کی رضامندی میں گزریں؛ اسی کی ایک کڑی ''قرآن مجید کا دعوتی اُسلوب (حصہ سوم)'' پیشِ خدمت ہے۔

آقائے کائنات سے التجا ہے کہ ہم سب کو اس سے استفادہ کی ہدایت اور توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اس کتابچہ کے معاونین کے ہم شکر گزار ہیں اور پروردگارِ عالم سے دُعا گو ہیں کہ اس کتابچہ کو قبول فرما کر ہم سب سے راضی ہوجائے اور ہم سب کو اللہ رب العزت سے راضی کرائے، آمین۔

طالبِ دُعا
انجینئر محمد عثمان حیدرآبادی
ناظم
ایچ، یم، حسین ٹرسٹ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمہ

چودھویں صدی کا اختتامی سال دار العلوم ندوۃ العلماء کے لئے ایک نہایت مبارک سال ثابت ہوا کہ اس میں دار العلوم میں ایک اہم کام کا آغاز کا گیا، ایک مستقل تعلیمی ادارہ اس غرض سے قائم ہوا کہ اس میں طلبہ کو دعوت وتبلیغ کے اُصول بتائے جائیں اور اسلامی فکر کی تربیت دی جائے، اس معہد کا نام المعهد العالی للدعوة والفكر الإسلامی تجویز ہوا، اس کا پہلا تعلیمی سال بہت ہی کامیابی کے ساتھ مکمل ہوا کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہٗ نے قرآن کریم کے اُسلوبِ دعوت پر اور عالم اسلام کے مشہور فاضل ڈاکٹر یوسف القرضاوی مدظلہٗ نے فکر اسلامی کے موضوع پر محاضرات (لکچرز) دیئے۔

جہاں تک قرآن کے اُسلوب دعوت کا تعلق ہے وہ نہ صرف یہ کہ اس معہد کا اہم ترین موضوع تھا بلکہ خود دار العلوم کے تربیتی تخیل کا آئینہ دار تھا، ندوہ کی تاسیس جن مقاصد کے لئے ہوئی تھی ان میں اہم ترین مقصد دعوت دین کے لئے ذہنی وعلمی تربیت دینا تھا؛ اگر آپ ندوہ کے نصاب پر ایک نظر ڈالیں تو صاف نظر آئے گا کہ پورا نصاب جس محور کے گرد گھومتا ہے وہ قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ ہے اور تبلیغ ودعوت کی رُوح اس پورے نصاب میں کارفرما ہے۔

دار العلوم ندوۃ العلماء نے عربی زبان کو ایک ایسی زندہ زبان کی طرح پڑھانے کا نظم کیا جو صرف کتابوں میں محدود نہیں ہے؛ بلکہ وہ تقریر وتحریر، علم وادب، تبلیغ ودعوت اور سیاست وصحافت کی بھی زبان ہے، برصغیر کی درسگاہوں کے درمیان اللہ تعالیٰ نے ندوہ کو اس خصوصی توفیق سے نوازا جس کا محرک سوائے اس کے کچھ بھی نہیں ہے کہ عربی زبان دعوتِ دین کا اولین ذریعہ ہے، اس کے ذریعہ قرآن کریم اور احادیث نبویہ کی تہہ تک پہونچا جاسکتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ﴿۴﴾ (سورۃ ابراهیم)۔

''اور ہم نے جس پیغمبر کو بھیجا اس کی زبان وہی تھی جو اس کے بھائی بندوں کی زبان تھی تاکہ وہ واضح کرکے بتا سکے''۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نصابِ تعلیم کی یہ خصوصیت ہے کہ اس نے برصغیر کے مدارس میں پہلی مرتبہ قرآن کریم کا نص (متن) (سلف کی تفسیروں کی روشنی میں) نصاب میں داخل کیا، قرآن کریم اور ادب عربی یہی دو بنیادی عناصر ہیں جن سے دعوت وتبلیغ کا ذہن تیار ہوسکتا ہے اور اس کی صلاحیت وقدرت پیدا ہوسکتی ہے اور جب تک کہ قرآن کریم سے شغف نہ ہو اور وہ ایک زندہ کتاب کی طرح نہ پڑھا جائے اور عربی زبان کا صحیح مذاق حاصل نہ ہو اس وقت تک دین کی صحیح فکر اس کے اولین مآخذ سے حاصل نہیں کی جاسکتی۔

ایک داعی اور مبلغ میں کیا خصوصیات ہونی چاہئیں، اس کو کس طرح کا اندازِ گفتگو اختیار کرنا چاہیے، وہ ''حکمت'' کیا ہے جو تبلیغ دین کے لئے ضروری ہے اور جس کے بارے میں قرآن کریم کی ہدایت ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ﴿۱۲۵﴾

(سورۃ النحل)۔

''اے پیغمبر! لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ''۔

ان سوالات کے تمام جوابات خود قرآن کریم میں موجود ہیں اور وہ اتنے اچھوتے اور نرالے انداز میں ہیں کہ اس سے زیادہ دلنشیں انداز کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا ہے، قرآن کریم نے قصص کے ضمن میں انبیاء کرام کے مکالمات نقل کئے ہیں اور یہ بتایا ہے کہ ان سے اگر کسی نے کج بحثی (مجادلہ) کی تو انھوں نے کس انداز سے اس کا منہ بند کیا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت کس لہجے میں سنائی؟ نافرمانوں کو وعید کس اسلوب میں دی گئی؟ دعوت کن الفاظ میں کس طریقہ سے اور کس اُسلوب سے دی؟ یہ

بنیادی اُصول ہیں، جن سے کوئی مبلغ دین بے نیاز نہیں ہوسکتا اور کسی ملک میں اور کسی زمانہ میں بھی انبیائے کرام کے طریقۂ کار کو نظر انداز کر کے دین کی دعوت نہیں دی جاسکتی۔

اس معہد کی خوش نصیبی ہے کہ حضرت الاستاذ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر محاضرات کا سلسلہ شروع فرمایا اور یہ معہد ان ہی کی توجہات کا ثمرہ اور ان آرزوؤں کا حاصل ہے جو بانیانِ ندوۃ العلماء کے دل و دماغ میں پرورش پاتی رہی تھیں۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے بہتر اس موضوع کا حق شاید ہی کوئی ادا کرسکتا اس لئے کہ اولاً آپ کو اللہ تعالیٰ نے عربی زبان کا وہ ذوق دیا ہے جو اہلِ زبان کو عطا ہوتا ہے اور اہلِ زبان میں بھی ان کو ملتا ہے جن کے اندر فطری و وجدانی ذوق ہوتا ہے اور جس کو وہ اپنے علم و مطالعہ سے جلا دیتے ہیں، دوسرے اس لئے کہ قرآن کریم آپ کا خاص موضوع ہے، اسی کے طالب علم رہے ہیں اور سالہا سال اس کی تعلیم دی ہے اس کا ذوق ان کے ریشہ ریشہ میں اس طرح سرایت کئے ہوئے ہے ؏

شاخ گل میں جس طرح بادِ سحر گاہی کا نم

مولانا نے تبلیغ و دعوت کا کام عمومی درس قرآن سے شروع کیا تھا جس کا سلسلہ ''ادارۂ تعلیمات اسلام'' اور لکھنؤ کے تبلیغی مرکز میں سالہا سال جاری رہا اور جس میں شہر کے اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات، اہل علم اور عامۃ المسلمین بڑی تعداد میں بڑے ذوق وشوق سے شرکت کرتے تھے، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بھی تقریباً دس سال تک آپ نے مختلف درجات میں قرآن مجید کا درس دیا، ان کی تصنیفات اور تحریروں میں قرآن مجید کے مطالعہ و تدبر اور ذوق و شغف کا فیض صاف نظر آتا ہے اور وہ ان کی تقریر و تحریر کی تاثیر کا راز ہے، یہ مصرعہ ان کے حسبِ حال ہے ؏

اُنچہ کردم ہمہ از دولتِ قرآن کردم

مزید برآں آپ کے متعدد مقالات اور مستقل کتابیں موجود ہیں، جو قرآن کریم کے بعض اہم مسائل و مباحث کی فکر انگیز تفسیر تسلیم کی گئی ہیں، اُردو میں ''مطالعہ قرآن کے اُصول و مبادی'' اس کا ایک نمونہ ہے (جو آپ کے ان افادات و مضامین کا

مجموعہ ہے جو ۱۳۴۰ھ میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں اثنائے درس میں مرتب وقلمبند ہوئے تھے) سورۂ کہف کی تفسیر میں آپ کی مستقل کتاب جو اصلاً عربی میں الصراع بين الايمان والمادية اوتأملات فى سورة الكهف کے عنوان سے شائع ہوئی پھر اس کا ترجمہ اُردو اور انگریزی میں شائع ہوا، ماثورہ دعاؤں کی ادبی بلاغت کو ایک مقالہ میں قلمبند فرما چکے ہیں، جس میں دکھایا ہے کہ جامعیت اور انسانی ضروریات کا اس درجہ ادراک اور باریک بینی کے ساتھ ہر ہر حاجات کو سامنے لاکر اس کے لئے مناسب ترین الفاظ میں دُعا کرنا بلاغت نبوی کا معجزانہ اُسلوب ہے۔

پیش نظر خطبات دراصل وہ لکچرز ہیں جو آپ نے عربی میں معہد عالی کے طلبہ کے سامنے دیئے تھے، ان کو ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ یکجا کیا گیا مولانا کی نظر ثانی کے بعد روائع من ادب الدعوة فى القرآن والسيرة کے نام سے یہ کتاب مطبع ندوۃ العلماء سے شائع ہوئی۔

میں اپنے عزیز طلبہ مولوی ظریف احمد اور مولوی محمد صدر الحسن کا شکر گزار ہوں کہ ان عربی محاضرات کے جمع کرنے اور ان کو مرتب کر کے نقل کرنے میں انھوں نے گراں قدر مدد کی۔

مقام مسرت ہے کہ اس کتاب کے عربی سے اُردو میں منتقل کرنے کا نازک اور مشکل کام اسی درسگاہ کے ایک لائق ونامور فاضل اور دونوں زبانوں کا پاکیزہ ذوق رکھنے والے اور صاحبِ قلم ڈاکٹر مولانا عبد اللہ عباس ندوی استاذ جامعۃ اُم القری مکہ معظّمہ کے ہاتھوں انجام پایا، جو اس خدمت کے لئے ہر طرح موزوں تھے اور جو اس کی بہتر سے بہتر صلاحیت رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اُن خطبات سے علماء ومبلغین اور عام مسلمانوں کو مستفید فرمائے اور اس سلسلہ کو نافع بنائے اور مولانا مدظلہٗ کی عمر وصحت میں برکت عطا فرمائے۔ والله ولى التوفيق وبه الثقة

محمد رابع حسنی ندوی
(صدر معہد دعوت وفکر اسلامی)
دار العلوم ندوۃ العلماء

۱۶/ ۵/ ۱۴۰۱ھ
۲۳/ ۳/ ۱۹۸۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت یوسف علیہ السلام کے طرزِ تبلیغ کا ایک نمونہ

مخاطب کی رعایت:

انبیاء کرام علیہم السلام کے طرزِ تبلیغ کی جو مثالیں گزشتہ دو خطبوں میں پیش کی گئی ہیں، آج کا خطبہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور اس موضوع پر کل جہاں بات ختم کی تھی، آج وہیں سے اس کی ابتداء کرتے ہیں، پیغمبرانہ طرزِ دعوت وتبلیغ کے دو حکیمانہ انداز ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں ملتے ہیں، دعوت کا ایک طرز تو وہ تھا جو انھوں نے اپنے والد کو مخاطب کرتے وقت اختیار کیا جس کا ذکر سورۂ مریم میں ہے اور دوسرا طرز وہ ہے جو انھوں نے اپنی قوم اور اپنے والد کو ایک ساتھ مخاطب کرتے وقت اختیار کیا، جس کا ذکر سورۃ الشعراء میں ہے۔

آج ایک اور نمونہ پیش کروں گا، یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے طرزِ دعوت کا نمونہ ہے، سب سے پہلے آیئے ہم ان آیاتِ کریمہ کو پڑھیں جن میں اس دعوت کا ذکر ہے:

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ

يَأْتِيَكُمَا ۚ ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۚ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا
يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿٣٧﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ
آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ مَا كَانَ لَنَا أَن نُّشْرِكَ بِاللَّهِ
مِن شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ مِن فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ
أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٣٨﴾ يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ
مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٣٩﴾ مَا تَعْبُدُونَ مِن
دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا
مِن سُلْطَانٍ ۚ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ ذَٰلِكَ
الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٠﴾ يَا صَاحِبَيِ
السِّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا ۖ وَأَمَّا الْآخَرُ
فَيُصْلَبُ فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِن رَّأْسِهِ ۚ قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ
تَسْتَفْتِيَانِ ﴿٤١﴾ (سورۃ یوسف)۔

''اور ان کے ساتھ دو اور جوان بھی داخل زنداں ہوئے ایک نے ان میں سے کہا کہ (میں نے خواب دیکھا ہے) دیکھتا کیا ہوں کہ شراب کے لئے انگور نچوڑ رہا ہوں، دوسرے نے کہا کہ میں نے بھی خواب دیکھا ہے، میں یہ دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور جانور ان میں سے کھا رہے ہیں تو ہمیں ان کی تعبیر بتا دیجئے کہ ہم آپ کو نیکوکار دیکھتے ہیں، یوسف علیہ السلام نے کہا کہ جو کھانا تم کو ملنے والا ہے وہ آنے نہیں پائے گا کہ میں اس سے پہلے تم کو ان کی تعبیر بتا دوں گا، یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہیں، جو لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے اور روزِ آخرت کا انکار کرتے ہیں، میں ان کا مذہب چھوڑے ہوئے ہوں اور اپنے باپ دادا ابراہیم علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام کے مذہب

پر چلتا ہوں، ہمیں شایاں نہیں کہ کسی چیز کو خدا کے ساتھ شریک بنائیں، یہ خدا کا فضل ہے ہم پر بھی اور لوگوں پر بھی؛ لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے، میرے جیل خانے کے رفیقو! بھلا کئی جدا جدا آقا اچھے یا ایک خدائے یکتا وغالب؟ جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں، خدا نے ان کی کوئی سند نہیں نازل کی، سو سن رکھو کہ خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے، اس نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہی سیدھا دین ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے، میرے جیل خانے کے رفیقو! تم میں سے ایک جو پہلا خواب بیان کرنے والا ہے وہ تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا اور جو دوسرا ہے وہ سولی دیا جائے گا اور جانور اس کا سر کھا جائیں گے، جو امر تم مجھ سے پوچھتے ہو وہ فیصل ہو چکا ہے"۔

ایک انوکھا ماحول جس میں حضرت یوسف علیہ السلام نے دعوت دی:

ان آیاتِ کریمہ کی تشریح سے پہلے اپنے ذہن میں اس انوکھے ماحول کا ایک نقشہ سامنے لایئے جو اس دعوت کے وقت تھا اور ان حالات کو پیشِ نظر رکھئے جن میں حضرت یوسف علیہ السلام نے کارِ دعوت انجام دیا۔

سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کون تھے؟ حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادے، حضرت اسحاق علیہ السلام کے پوتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پرپوتے ہیں، یہ وہی حضرت یوسف علیہ السلام ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: "الکریم بن الکریم بن الکریم بن الکریم" (ایک برگزیدہ، برگزیدہ کے صاحبزادے، برگزیدہ کے پوتے، برگزیدہ کے پرپوتے) نسب دیکھئے تو سب سے اعلیٰ،

خاندانی شرافت میں سب سے بلند، نبوت کی میراث دیکھئے تو کئی پشتوں سے اس کے حامل، اللہ تعالیٰ جل شانہ کی معرفت دیکھئے تو یہ بھی خاندانی ورثہ، سیرت اور اخلاق دیکھئے تو پشتہا پشت سے ان کے خاندان میں یہ دولت منتقل ہوتی آرہی ہے، آسمانی صحیفوں میں ان کا ذکر ہے، دین ودانش، ادب وحکمت کی کتابوں میں ان کا قصہ موجود ہے، جمال ظاہری میں بے مثال تھے، اللہ تعالیٰ نے حسن صورت اور حسن سیرت کا جامع بنایا تھا، ظاہری شکل ووجاہت کا اگر وہ نمونہ تھے تو دوسری طرف پاکیزہ اخلاق اور کردار کی بلندی کا بھی آئینہ تھے، ان کی ذات حسنِ صورت، حسنِ سیرت اور جمال عقل وفکر (اگر یہ تعبیر مناسب ہوتو) کی جامع تھی، اس کے ساتھ طبیعت میں گداز، احساس وجذبات میں لطافت اور فطری شرافت کا عنصر مستزاد تھا، وہ صحیح معنی میں حسن کامل کا پرتو تھے، یہ حسن ان کی ظاہری وجاہت کی طرح ان کے عادات واطوار، طرزِ کلام اور طرزِ فکر سے بھی آشکارا تھا۔

ان آیاتِ کریمہ کی ادبی شان اور بلاغت کا لطف لینے سے پہلے ہمیں اس ماحول کو بھی اپنے سامنے رکھنا چاہیے، جس میں حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی دعوت پیش کی تھی، ان آیاتِ کریمہ کو پڑھئے:

وَجَآءَتۡ سَيَّارَةٌ فَأَرۡسَلُواْ وَارِدَهُمۡ فَأَدۡلَىٰ دَلۡوَهُۥ ﴿١٩﴾ (یوسف)۔

ترجمہ: ''اب خدا کی شان دیکھو کہ اس کنویں کے قریب ایک قافلہ وارد ہوا اور انھوں نے پانی کے لیے اپنا سقا بھیجا اس نے کنویں میں ڈول لٹکایا''۔

ثُمَّ بَدَا لَهُم مِّنۢ بَعۡدِ مَا رَأَوُاْ ٱلۡأٓيَٰتِ لَيَسۡجُنُنَّهُۥ حَتَّىٰ حِينٖ ﴿٣٥﴾

(سورۃ یوسف)۔

ترجمہ: ''پھر باوجود اس کے کہ وہ لوگ نشان دیکھ چکے تھے، ان کی رائے یہی ٹھہری کہ کچھ عرصہ کے لئے ان کو قید ہی کردیں''۔

یوسف علیہ السلام کو جیل میں ڈال دیا جاتا ہے اور ایک ایسی تہمت لگائی جاتی ہے جس سے

اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا بری اور بے قصور ثابت کر دیا، جیسے خوں ریزی کی تہمت سے وہ بھیڑیا بری تھا، جس پر حضرت یوسف علیہ السلام کو پھاڑ کھانے کا الزام ان کے بھائیوں نے لگایا تھا[۱]۔

بہر حال حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں ایک تہمت کی بنا پر مجرم کی حیثیت سے داخل کئے جاتے ہیں، جیل خانوں میں حکام بالا کے احکام کی صرف تعمیل ہوتی ہے، جیل خانہ کے عملہ کو حق و ناحق سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، وہ عملہ تو قیدیوں کو اس طرح اپنی تحویل میں لیتا ہے، جیسے ہم لوگ ڈاک وصول کرتے ہیں، ڈاکیہ کو بھی اس سے مطلب نہیں کہ ان خطوط میں کیا ہے اور لینے والا بھی بغیر کسی جرح قدح کے اس کو وصول کر لیتا ہے، اب خواہ اس میں کوئی تار ہو جس میں اچانک کسی حادثہ کی خبر ہو یا کوئی خوشخبری ہو، غرض جیل خانے کا عملہ جمادات یا اشیاء منقولہ کی طرح قیدیوں سے بھی معاملہ کرتا ہے؛ انھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ لیا، اب انھیں کیا معلوم کہ کون ہیں اور کس خاندان کے چشم و چراغ ہیں اور کس درجہ بلند اخلاق کے حامل ہیں، ان کو تو صرف یہ معلوم تھا کہ ان کے لئے جیل میں ڈالے جانے کا حکم صادر ہوا ہے؛ لہٰذا انھوں نے دوسرے قیدیوں کی طرح ان کو بھی داخلِ زنداں کر دیا، جب حق و ناحق کا فیصلہ جیل کے باہر نہ ہو سکا تو پھر جیل کی چہار دیواری کے اندر کیوں کر ممکن تھا؟ اس کے آہنی پھاٹک کے پٹ جب بند ہو گئے تو اس کے اندر جو بھی ہے یکساں ہے، باہر کی صاف ہوا سے سب ہی محروم کر دیئے جاتے ہیں، جیل خانہ کی اپنی ایک دنیا ہوتی ہے اور قیدیوں کو باتیں کرنے کا وقت ہی وقت ہوتا ہے۔

احترام و اعتماد کا مرکز:

باوجود اس کے کہ سب قیدی برابر ہوتے ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام تھوڑے ہی دنوں میں لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گئے، قیدیوں میں (ان کی شرافت وحسن اخلاق کا) عام چرچا تھا، ان کے ماحول پر چھائی ہوئی تاریکی، ان کے اخلاقِ کریمانہ کی نورانیت سے چھٹ گئی،

---

[۱] یہ عربی کا ایک محاورہ ہے کہ فلاں شخص اس تہمت سے ایسا بری ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے خون سے بھیڑیا بری تھا (مترجم)۔

سنجیدگی، وقار، کردار کی بلندی، سیرت کی پختگی، عبادت میں یکسوئی اور پھر ملنے ملانے میں خندہ پیشانی، عجز وانکساری، ہر ایک سے اخلاق ومروت کا برتاؤ، کوئی چیز ایسی نہ تھی، جس کا اثر نہ پڑتا، قیدیوں کے دل بے اختیار ان کی طرف کھنچنے لگے اور وہ ان کا احترام کرنے پر مجبور ہوگئے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے منشاء ومصلحت کا مظہر تھا۔

اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ قیدیوں میں دو قیدی دو مختلف قسم کے خواب دیکھتے ہیں، خواب آئے دن کے خوابوں سے مختلف اور ذرا نرالے قسم کے تھے، ایک نے دیکھا کہ وہ شراب کشید کررہا ہے، اس کے اعصاب پر (کابوس کی طرح) یہ خواب سوار ہوگیا، اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس خواب کی کیا تعبیر ہوگی، دوسرا شخص دیکھتا ہے کہ وہ سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہے، جس کو پرندے کھا رہے ہیں، یہ بھی عجیب وغریب قسم کا خواب تھا، اللہ نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے رجوع کریں، خوابوں کی تعبیر لینے کے لئے ان کا حضرت یوسف علیہ السلام سے رجوع کرنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ ان کی انسانی فطرت مردہ نہیں تھی اور ان میں مشاہدہ کی قوت باقی تھی اور یہ ہوتا آیا ہے کہ لوگ علم ومنطق سے زیادہ اپنے مشاہدات وتجربات پر اعتماد کرتے ہیں، بہرحال ان دونوں نے اپنے اپنے خواب بیان کئے، ایک نے کہا کہ میں اپنے آپ کو شراب کشید کرتے ہوئے دیکھتا ہوں، دوسرے نے کہا کہ میں اپنے سر پر روٹی دیکھتا ہوں جس کو پرندے کھا رہے ہیں، براہِ کرم اس کی تعبیر دیجئے، آپ ہمیں بہت بھلے انسان دکھائی دیتے ہیں (ہم آپ کو ان لوگوں میں پاتے ہیں، جو احسان کرتے ہیں)۔

احسان کا مفہوم:

خواب کی تعبیر پوچھنے والوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا تھا إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۶﴾ (سورۃ یوسف) (یعنی آپ ہم کو ان لوگوں میں سے دکھائی دیتے ہیں جو احسان کرتے ہیں) یہاں پر احسان کا کیا مفہوم ہے؟ کیا حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس کوئی دولت تھی، جسے انھوں نے چھپا کر رکھا تھا اور قیدیوں میں اس کو تقسیم کیا کرتے تھے، احسان

کرنے کا لفظ سن کر ہمارے ذہن میں جو بات پہلے آتی ہے وہ یہی ہے؛ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام جس حالت میں تھے اس کو دیکھتے ہوئے یہ بات نہ صرف خلافِ عقل بلکہ محال معلوم ہوتی ہے، احسان کا مطلب ہے کسی کام کو بہتر سے بہتر طریقہ پر انجام دینا، جو کمال کا درجہ ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ احسان کیا ہے تو آپ نے فرمایا:

أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ

(بخاری: ۴۷۷۷)۔

ترجمہ: "احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو کیونکہ اگرچہ تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو لیکن وہ تو تم کو دیکھ ہی رہا ہے"۔

لہٰذا یہاں احسان کا مفہوم یہ ہے کہ ہم آپ کو عبادت میں درجہ احسان پر فائز پاتے ہیں، آپ کو گفتگو میں، معاملہ میں ہر چیز میں اس کمال کے درجہ پر پاتے ہیں جو احسان کا درجہ ہے، چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے گردوپیش تہمت اور بدنامی کے ہالے پڑ چکے تھے (جمال ظاہری میں حضرت یوسف علیہ السلام ایک مہ تابندہ تھے، اس لئے ان کے گردوپیش تہمت اور بدنامی کے ماحول کو ہالہ سے تعبیر کرنا مناسب ہوگا) لوگ کچھ کا کچھ گمان کرنے لگے تھے، چرچے ہو رہے تھے، قیاس آرائیاں ہو رہی تھیں، کوئی کہتا آخر جیل میں کیوں ڈالے گئے؟ کسی نے کہا ضرور ایسا کیا ہوگا، کسی نے کہا اس سے ایسا نہیں ہوسکتا؛ لیکن یہاں جیل میں یہ سب ہالے ختم ہو گئے اور ایک دوسرا ہالہ اس صورت وسیرت کے "ماہ تاباں" کے گرد دکھائی دینے لگا، یہ تھا احترام واعتماد اور تحسین وتعریف کا ہالہ۔

بھیانک خوابوں سے زیادہ قابل فکر بات:

حضرت یوسف علیہ السلام نے محسوس فرما لیا کہ جو چیز ان دونوں کو لائی ہے اور جس کی وجہ سے یہ مجبور ہو کر آئے ہیں وہ ان کے بھیانک خواب ہیں اور یہی ان بیچاروں کا معیارِ علم ہے اور یہ لوگ اسی طرح کی باتوں کو زندگی کا اہم ترین مسئلہ سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک رنج

وراحت، کامرانی اور ناکامی کا تصور اس دوروزہ زندگی سے وابستہ ہے۔

مگر حضرت یوسف علیہ السلام آغوشِ نبوت کے پروردہ تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں بصیرت کی دولت عطا فرمائی تھی، رسالت خداوندی کے لئے ان کے مزاج کو ڈھالا گیا تھا، وہ سمجھ گئے کہ یہ دونوں قید وبند کے رفیق جس حقیقت کو فراموش کررہے ہیں وہ ان خوابوں سے کہیں زیادہ قابل فکر بات ہے، وہ حقیقت ہے، ایمان باللہ کی، یعنی اس ذات پاک پر ایمان جو اس کائنات کا خالق و مدبر ہے اور وہ حقیقت ہے توحید کی جس میں شرک کی آمیزش نہ ہو اور کیا اس زندگی کی (خواہ کتنی ہی طویل ہو) حقیقت ایک خواب سے زیادہ ہے؟ ان دونوں رفیقانِ قید واسارت کو اس طویل خواب کی تعبیر جاننا زیادہ ضروری تھا اور وہ اس کے زیادہ محتاج اور ضرورت مند تھے اور اس کا بھولنا یا فراموش کردینا زیادہ خطرہ اور سخت نقصان کی بات ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کو جو اللہ نے فطری طور پر جذبہ ہمدردی اور لوگوں کی خیرخواہی کا ذوق عطا فرمایا تھا، اس کا تقاضہ یہی تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام انھیں اصل خطرہ سے آگاہ فرمائیں اور اس کو ایسی بات بتائیں جو ان کے لئے بنیادی طور پر نفع بخش ہو اور خاص طور پر اس وقت جب کہ بات سمجھنے کے لئے ذہن تیار ہو چکا ہے اور دماغ پر ایک دھچکہ لگ چکا ہے؛ خواہ کسی معمولی ہی سبب کی بنیاد پر؛ بہرحال یہ ایک موقع ہے بات سمجھانے کا اور ہوسکتا ہے کہ اس کے بعد ایسا موقع نہ ملے؛ لہٰذا حضرت یوسف علیہ السلام نے مناسب سمجھا کہ اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے اور ان کے دماغ کی نرم مٹی میں ایک اچھا تخم ڈال ہی دیا جائے، خواب کی تعبیر نے ایک اچھی تقریب اور مناسب سلسلۂ کلام پیدا کردیا ہے، اس کے ذریعہ اللہ کے دین کی طرف دعوت دی جائے اور ان کی فطرتِ سلیم کو بیدار کیا جائے کہ وہ واضح اور قابلِ فہم عقیدۂ توحید کو پاسکیں۔

آغاز گفتگو کا حسین پیرایہ

گفتگو کا آغاز کس حسین پیرایہ سے کیا گیا ہے، اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے، ایک اعلیٰ

درجہ کی بات کے لئے گفتگو کا پیرایہ بھی اعلیٰ درجہ کا ہونا چاہیے، آدابِ کلام میں اس کی بڑی اہمیت ہے؛ اگر ایسا نہ ہو تو بات کا حسن ختم ہوجاتا ہے، جس طرح ایک پرشکوہ اور حسین عمارت کے لئے ضروری ہے کہ اس کا پھاٹک بھی دیدہ زیب اور عالیشان ہو جس کو دیکھتے ہی عمارت کی اہمیت معلوم ہو اور آدمی اندر داخل ہونے میں سہولت و مسرت محسوس کرے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی گفتگو کا آغاز اس طرح فرمایا کہ پہلے تو ان کو مطمئن کیا کہ وہ ان خوابوں کی تعبیر دے سکتے ہیں اور جس مقصد سے یہ لوگ ان کے پاس آئے ہیں، اس میں ان کو کامیابی ہوگی، انھوں نے انتخاب میں کوئی غلطی نہیں کی ہے وہ صحیح منزل پر آگئے ہیں جس شخص سے انھوں نے رجوع کیا ہے، وہ اس کام کا اہل ہے، جس کی انھیں ضرورت ہے اور جوان کو اس ذہنی الجھن سے نکال کر صحیح طریقۂ عمل بتا سکتا ہے۔

یہ ایک فطری بات ہے کہ ایک ضرورت مند یہ چاہتا ہے کہ اس کی ضرورت جلد سے جلد پوری ہوجائے ایک مریض جب کسی معالج کے پاس جائے کہ وہ اس کے مرض کی تشخیص کرکے دوا تجویز کرے اور وہ معالج ٹال مٹول کرنے لگے یا یہ کہنے لگے میں کتابیں دیکھ کر بتاسکوں گا، ذرا میں فلاں ڈاکٹر، فلاں حکیم سے مشورہ کرلوں تو مریض کا دل ٹوٹ جائے گا اور وہ مایوس ہوکر واپس چلا جائے گا اور شاید دوبارہ کبھی اس معالج کی طرف رُخ بھی نہ کرے؛ لہٰذا گفتگو کا پہلا جزو یہ ہوتا ہے کہ طالب حاجت کے دل میں اعتماد پیدا کردیا جائے کہ وہ جس کے پاس آیا ہے، وہ کاربرآری کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس کی ضرورت پوری ہوجائے گی:

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ ﴿۳۷﴾

(سورۂ یوسف)۔

فرمایا: جو کھانا تم کو ملنے والا ہے وہ آنے نہیں پائے گا کہ میں اس سے پہلے تم کو ان کی تعبیر بتادوں گا یعنی ان کی ضرورت بلاتاخیر پوری کردی جائے گی، اس طرح کہ وہ جو پوچھنا چاہتے ہیں، اس کا جواب ان کو بعجلت مل جائے گا، ظاہر ہے کہ وہ دونوں قیدی تھے

اور جیل خانہ کے قوانین کے پابند، زیادہ دیر تک حضرت علیہ السلام کے پاس بیٹھے نہیں رہ سکتے تھے؛ لہٰذا حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارا کھانا (جو آیا کرتا ہے) پہونچنے بھی نہ پائے گا کہ میں تم کو خواب کی تعبیر بتا کر رخصت کردوں گا۔

اس آیت کی تفسیر دو طریقوں سے کی گئی ہے۔

پہلی تفسیر:

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ ﴿۳۷﴾

(سورۃ یوسف)۔

''یعنی قبل اس کے کہ تمہارا کھانا جو تم کو ملتا ہے یہاں آجائے میں اس کی تفصیل بتادوں گا''۔

یعنی کھانے میں آج کیا آنے والا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کا منشاء یہ تھا کہ ان کو باور کرادیں کہ وہ کچھ غیب کی بتایں بتانے پر قادر ہیں اور اس طرح ان دونوں کو اطمینان دلادیں کہ وہ خواب کی تعبیر بیان کرنے کے اہل ہیں۔

دوسری تفسیر:

پہلی تفسیر (جو اوپر بیان کی گئی) میرے نزدیک قابل قبول نہیں ہے، اولاً اس لئے کہ غیب میں کیا ہے، اس کی نشاندہی اس سے ثابت نہیں ہوتی ہے، جیل خانوں میں کھانے متعدد اقسام وانواع کے نہیں دیئے جاتے، ایک ہی دو قسم کے کھانے اُلٹ پھیر کر دیئے جاتے ہیں، ہر قیدی آسانی سے قیاس کرسکتا ہے کہ کھانے میں کیا ملنے والا ہے، اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی کونسی غیر معمولی صلاحیت کا اظہار ہوتا؟ توراۃ میں مذکور ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد قیدیوں کے کھانے کا انتظام بھی تھا؛ اگر یہ صحیح ہے تو بات اور بھی معمولی ہوجاتی ہے، ایک شخص جو باورچی خانہ کا منتظم ہے وہ کسی کو بتادے کہ آج کھانے

میں کیا وجائے گا، اس میں کونسی قابلیت ہے؟

میرا رجحان یہ ہے کہ اس آیت کی وہ تفسیر درست ہے (جو بعض تفسیروں میں ہے) جس میں اس آیت کا یہ مطلب بتایا گیا ہے کہ ''تمہارا کھانا آنے بھی نہ پائے گا کہ میں تمہیں خوابوں کی تعبیر بتادوں گا'' تا کہ ان خواب دیکھنے والے قیدیوں کو اطمینان ہوجائے کہ تاخیر نہیں ہوگی، اس کی نوبت نہیں آئے گی کہ جیل کا نگران آکر ڈانٹے اور کہے کہ اپنی اپنی جگہ جاؤ ''یہاں تم کیسے آگئے؟ کیوں آئے؟'' مصر حضرت علیہ السلام کے وقت میں بھی مصر خاصا متمدن ملک تھا، کھانے کے اوقات متعین تھے، کھانے کا وقت آچکا تھا، اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ کھانا جو آرہا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تم کو تعبیر بتا کر فارغ کردوں گا۔

مرغوب اور پسندیدہ چیز کے ذکر سے طبیعت میں نشاط پیدا ہوتا ہے:

ایک نکتہ ابھی سمجھ میں آیا کہ قیدیوں کے لئے کھانے کا ذکر بہت پسندیدہ ہوتا ہے؛ لہٰذا حضرت یوسف علیہ السلام نے کھانے کا ذکر فرما کر ان کے اندر ایک نشاط پیدا کر دیا، کھانے کا ذکر ہر ایک کے لئے پسندیدہ ہے؛ چہ جائیکہ قیدیوں کے لئے، ان کے لئے تو اور بھی رغبت کی چیز ہے؛ لہٰذا جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کا ذکر کیا تو ان کے دل کھل اٹھے اور مزید باتیں سننے کے لئے کان آمادہ ہوگئے۔

پھر مزاجِ نبوت اُبھر کر سامنے آتا ہے، تعبیر خواب کی صلاحیت کو اپنی قابلیت پر محمول نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل کا نتیجہ بتاتے ہیں اور یہیں سے بات کا رُخ پھیرتے ہیں، اس درجہ کے حکیمانہ ''گریز'' کی شاید ہی کوئی مثال ملے، فرمایا: ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي یہ ان باتوں میں ہے جو میرے رب نے مجھے سکھلائی ہیں اور نصیحت کی جو بات کرنا چاہتے تھے، اس کا سرا ہاتھ آگیا۔

غور فرمایئے! خواب کی تعبیر سے پہلے کس درجہ حکیمانہ اُسلوب میں دعوت وتبلیغ کا فرض انجام دیا؛ یہی بات اگر سیدھے سیدھے بغیر گفتگو کا رُخ موڑے ہوئے کہتے تو وہ قیدی سننے کے لئے تیار نہ ہوتے؛ کیونکہ وہ بھیانک خوابوں کی وجہ سے خوف زدہ تھے، وہ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد کوئی ان کو اطمینان کی بات بتادے، وہ کہاں متحمل ہوسکتے تھے کہ طویل طویل باتیں سنیں؛ مگر حضرت یوسف علیہ السلام نے جب یہ فرمایا کہ اس تعبیر خواب کے بیان کرنے میں میرے علم وفضل، ذہانت وذکاوت کا کوئی دخل نہیں ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جس نے مجھے یہ صلاحیت عطا فرمائی ہے اور اس بات سے ان کو دعوت الی اللہ کی بات کا سرا ملتا ہے، جو اس درجہ لطیف، سبک رُو اور طبائع کے لئے قابل قبول ہے کہ کوئی انکار نہیں کرسکتا تھا۔

دعوت کے اس حکیمانہ اُسلوب پر اس طرح غور کیجئے کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام ان خواب دیکھنے والوں کو اس طرح مخاطب فرماتے کہ ''میرے معزز ساتھیو!'' ذرا صبر سے کام لو، میں آپ کے خواب کی تعبیر ابھی بتادوں گا؛ لیکن سنئے! اس دنیا میں اس خواب سے بڑھ کر بھی اہمیت اور فکر کے لائق ایک بات ہے، ظاہر ہے، وہ لوگ دلجمعی سے ہرگز بات نہ سنتے، خاص طور پر ایسے موضوع پر گفتگو جس کے وہ عادی نہیں تھے اور نہ یہ سب سننے کے لئے آئے تھے؛ لہٰذا حضرت یوسف علیہ السلام نے گفتگو کا موضوع بغیر بدلے ہوئے سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بلکہ ایک ہی سانس میں فرمایا:

ایک دلنشیں اور سبک پیرائے میں دعوت کی طرف روئے سخن کا پھیر دینا[1]

ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ﴿٣٧﴾ (سورۂ یوسف)۔

''یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھائی ہیں''۔

---

[1] یہ معجزانہ اور بلیغ ٹکڑا حضرت یوسف علیہ السلام کے ذکر میں صرف قرآن میں ہے، تورات میں اس کا سراغ نہیں ملتا، اس واقعہ کو قرآن کریم اور بائبل (Bible) دونوں میں دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ قرآن کریم نے وہی حصے لئے ہیں جن میں دعوت وتبلیغ، عبرت وموعظت کا عنصر ہے اور تورات میں جو ذکر ہے، اس میں صرف تاریخیں، گنتیاں اور مسافتوں کا بیان ہے۔

آپ اس ماحول کو اپنی نگاہ میں رکھئے جس میں یہ دعوت دی گئی ہے، اس حکیمانہ اُسلوب میں جس کی مثال اگر کہیں ملتی ہے تو صرف رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت میں جس کا ذکر بعد میں کروں گا؛ لیکن اس کے علاوہ دعوتِ دین اور داعیانِ دین کی طویل تاریخ میں مجھے اس سے زیادہ نازک ماحول نہیں نظر آتا اور نہ اس سے زیادہ لطیف پیرایۂ بیان ملتا ہے، جہاں سے بات شروع کی ہے لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ سے آیت ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي تک پڑھئے اور دیکھئے کس طرح رَب کے لفظ سے توحید کے وعظ کا راستہ نکال لیا ہے، کیا اس سے زیادہ سہل، لطیف، قابلِ قبول اور تیزی سے بات کا رُخ بدلا جا سکتا ہے؟ گویا وہ فرما رہے ہیں، میری کیا حیثیت کہ آپ کے خوابوں کی تعبیر بتاؤں، میں کمزور و درماندہ انسان، میرا اپنے اوپر بس نہیں چلتا، لوگوں نے مجھے جیل خانہ میں ڈھکیل دیا اور میں ان کا مقابلہ نہ کر سکا، میرا جیسا کمزور و ناتواں جو قید میں ڈال دیا جائے اور اپنے آپ کو بے بس پاتا ہو، اس کی کیا مجال کے اس بلند مقام پر اپنے کو فائز سمجھے کہ علم و بصیرت کی بات کرے، یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے مجھے علم عطا فرمایا۔

جادۂ صد سالہ کو حضرت یوسفؑ ایک لمحہ میں طے فرماتے ہیں:

یہاں ایک اور سوال اُٹھاتے ہیں، میرے رب نے یہ علم مجھے کیوں دیا؟ دعوت الیٰ اللہ کی طرف لوگوں کا ذہن منتقل کرنے کا ایک اور پیرایہ ان کو ملتا ہے، دراصل یہ طول طویل راہ تھی، جس کو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی حکمت و بصیرت، تابناک روحانیت، روشن ضمیری اور اللہ کی عطا کردہ فکرِ رسا کے ذریعہ ایک لمحہ میں طے فرما لیا، یہ راہ جس کو جادۂ صد سالہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا اور جس کو حکماء و فلاسفہ برسہا برس میں طے کرتے، حضرت یوسف علیہ السلام کی پیغمبرانہ قوت نے چشم زدن میں طے کر لی، فرمایا:

ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۚ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿٣٧﴾ (سورۂ یوسف)۔

''یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہے، جو لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے اور روزِ آخرت کا انکار کرتے ہیں میں ان کا مذہب چھوڑے ہوئے ہوں''۔

اتنا کہنے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے محسوس فرمایا کہ وہ اب ایک محفوظ پوزیشن میں ہیں، ایک بلند مقام پر فائز ہیں؛ گویا وہ ایک پہاڑ پر یا ٹیلے پر چڑھ کر نیچے والوں کو مخاطب فرمارہے ہیں کہ:

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ (سورۂ یوسف)۔

''میرے جیل خانے کے رفیقو! بھلا کئی جدا جدا آقا اچھے یا (ایک) خدا یکتا و غالب؟''۔

اگر حضرت یوسف علیہ السلام یہ بات پہلے کہہ دیتے تو ان رفیقوں کے کان پر یہ بات گراں گزرتی، نہ اس کو ان کا قلب و ذہن قبول کرتا؛ لیکن اب موقع آگیا تھا کہ کہیں اور ان کا حق تھا کہ کہیں ''اے میرے جیل کے رفیقو! بھلا کئی جدا جدا آقا اچھے یا ایک خدا یکتا وغالب؟'' یہاں کلام کی ترتیب تقدیم وتاخیر اور قرآن کریم کی ترتیب کلام قابل غور ہے اور اگر وہ سابق سلسلۂ کلام جاری رکھتے تو خشک اور بے جان بات ہوتی؛ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی بصیرت سے اندازہ کرلیا اور اپنے مخاطبین کے چہرے پر اطمینان کے آثار دیکھ کر سمجھ لیا کہ اب یہ لوگ اس صدائے آسمانی کو سننے کے لئے گوش بر آواز ہیں؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام ہے، جو اپنے پیغمبروں کے ذریعہ اپنے بندوں کو دے رہا ہے، فرمایا: يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ اس لہجہ کو دیکھئے کس درجہ پہلے لہجہ سے مختلف ہے، پہلا لہجہ (جس میں ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ کہا تھا، الخ) نرم تھا، اس میں گداز تھا، مگر یہ لہجہ جس میں وہ کہہ رہے ہیں ''کیا جدا جدا آقا اچھے یا ایک خدا یکتا وغالب'' قوت واعتماد کا اظہار کررہا ہے، اس سے بھرپور خود

اعتمادی جھلکتی ہے اور یہی لہجہ اور اسی انداز کی بات وہ آسانی سے سمجھتے تھے؛ اگر حضرت یوسف علیہ السلام یہاں پر منطق اور علم کلام کی زبان میں بات کرتے تو ان کی سمجھ میں خاک نہ آتا۔

ایک قرآنی معجزہ:

مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ﴿۴۰﴾ (سورۃ یوسف)۔

''جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں خدا نے ان کی کوئی سند نہیں نازل کی''۔

یہ نام ہیں مگر ان کا کوئی مسمّٰی نہیں ہے، یہ نام ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے، کچھ نام یونانیوں نے تصنیف کر لئے ہیں، کچھ نام بت پرست قوموں نے رکھ چھوڑے ہیں اور اسی طرح دوسرے لوگوں نے بغیر کسی وجود کے صرف اپنے اوہام کے بت بنائے اور ان کا نام رکھدیا اور دنیا میں ہر قوم کا ایک مستقل علم الاصنام (Mythology) تیار ہوگئی، قرآن کریم کا اعجاز یہ ہے کہ ان وہمی چیزوں کے لئے جن کا کبھی کوئی وجود نہیں تھا ''اسماء'' کا لفظ استعمال کیا ہے، جن لوگوں کی مذاہبِ عالم کی تاریخ پر نظر ہے اور جو علم الاصنام کی تاریخ جانتے ہیں، وہی اس لفظ کی معجزانہ حیثیت کا اندازہ کر سکتے ہیں، یہ صرف نام ہی نام ہیں، یہ معبود کہاں اور کب پائے گئے؟ کہاں اور کب بارش کا خدا اور جنگ کا خدا تھا؟ اور کس زمانہ میں اور کس جگہ، خدائے جمال اور خدائے محبت کا وجود تھا؟ یہ الٰہ کہاں اور کس صدی میں بستے تھے، ان کا وجود اوہام وظنون کی دنیا سے باہر کبھی پایا گیا؟ قرآن کریم نے بتایا کہ ''صرف نام ہی نام ہیں جنھیں تم نے اور تمہارے آباواجداد نے اپنے دل سے گڑھ لیا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی سند نہیں ہے''۔

قرآن کریم کا یہ معجزہ رہتی دنیا تک کے لئے قائم ہے، بت پرستی بھی اسی طرح کے اسماء کا مجموعہ ہے، قرآن کریم نے ان کا پول ان دولفظوں میں کھول دیا "اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ یہ صرف نام ہی نام ہیں"۔

ایک ایسے داعی کا طریق کار جو اللہ کی طرف سے الہام کی نعمت سے سرفراز ہے:

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس موقع پر محسوس فرمایا کہ ان کے دل ودماغ کا خلا پر ہو چکا ہے اور اب حکمت کا تقاضہ ہے کہ بات کو طول نہ دیا جائے اور توحید کا مضمون زیادہ پھیلا کر بیان نہ کیا جائے ، ایک ماہر طبیب جانتا ہے کہ مریض کو کتنی غذا اور کس مقدار کی دوا (Dose) درکار ہے، مریض کی ضرورت اور قبولیت کی صلاحیت وہ جانتا ہے؛ یہی ایک ایسے داعی کا طریق کار ہے جو اللہ کی طرف سے الہام کی نعمت سے سرفراز ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے دعوت کی صلاحیت دی ہے، وہ جانتا ہے کہ ایک مرکز پر پہونچنے کے بعد اس سے تجاوز نہ کرنا چاہیے۔

یہی سبب ہے جو شخص دعوت وتبلیغ کو اُصول وقواعد کی حد بندیوں میں محصور کرتا ہے، وہ دراصل اس کی کارکردگی کو محدود کرتا ہے، دعوت، نشاط، جوش اور حرارت کی متقاضی ہے، داعی اور مبلغ پر بھی یہ ظلم ہے کہ اس کو ضوابط کا پابند کردیا جائے [1]۔

آئندہ مجلس میں انشاء اللہ حضرت موسیٰ کے طرز دعوت کے مطالعہ کا نتیجہ پیش کیا جائے گا۔

---

[1] مؤلف نے ۱۷/ ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ کو مدینہ منورہ کی اسلامی یونیورسٹی کے ہال میں "حکمت دعوت" کے موضوع پر ایک تقریر کی تھی، جس کا عنوان تھا حکمة الدعوة وصفة الدعاة "دعوت میں حکمت کا پہلو اور داعی کے اوصاف"۔ اس محاضرہ میں حضرت علیہ السلام کی دعوت کا ذکر تھا اور اس میں ادبی نکات اور دعوت کے تابناک پہلو سامنے آگئے تھے؛ لہٰذا اس خطبہ کو بھی سابقہ محاضرہ کے ساتھ ضم کردیا گیا"۔